کلام اقبال میں کلمۂ طیبہ کا استعمال

محمد ریاض

کلمۂ طیبہ 'لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، دین اسلام کی اساس ہے۔ لا الہ نفی باطل اور ابطال غیر اللہ ہے۔ الااللہ، اثبات حق اور رب واحد کی عبودیت کا اقرار ہے۔ اور محمد رسول اللہ، رسالت محمدی کے برحق ہونے کا اعتراف ہے۔ عربی، فارسی اور اردو زبانوں کے کئی مسلمان شعرا کے کلام میں کلمۂ طیبہ، خصوصاً اس کا جز اول لاالہ الااللہ، بار بار استعمال ہوا ہے مگر راقم الحروف کا خیال ہے کہ بہت سے دوسرے امور کی طرح اس معاملے میں بھی علامہ اقبال کا کلام انفرادیت کا حامل ہے۔ ان کے ہاں یہ مبارک کلمات، توحید کے مرادف یا نفی و اثبات کی بحث کی علامت بن کر استعمال ہوئے ہیں۔

درس توحید

اقبال نے توحید کے عملی پہلوؤں پر غور کرنے اور اساس اسلام کی حکمتیں سمجھنے پر غیر معمولی زور دیا ہے۔ 'توحید، کا ایک لازمہ، وحدت کائنات اور نظام تخلیق کی حکمتوں پر غور و خوض کرنا ہے۔ قرآن مجید کی کئی آیات میں وحدت کائنات اور احسن الخالقین کی بے نظیر تخلیقات پر تفکر کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ مگر یہ تفکر، تجسس اور تعمق ایمان باللہ کے ساتھ ہونا چاہئے ورنہ 'یضل بہ کثیرا ویہدی بہ کثیرا، کے بموجب انسان گمراہی میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ توحید کا دوسرا عملی پہلو، مدعیان توحید خصوصاً مسلمانوں کی وحدت فکر و عمل ہے۔ اگر ایک خدا کے ماننے والے اور ذات باری کے بارے میں ایک جیسے اعتقادات رکھنے والے باہم متحد نہ ہوں، تو اقبال کی نظر میں ان کا دعوی توحید لفظی ہے اور ایسے لوگ اس کے عملی فوائد کی برکات

سے محروم ہیں ۔ ایسے لوگ کسی ایک نصب العین پر متحد نہیں ہوسکتے اور ان کا افتراق و نفاق ہمیشہ سامان عبرت بنا رہے گا :

ملتی چوں می شود توحید مست   قوت و جبروت می آید بدست

اہل حق را حجت و دعوی یکی است

خیمہ ہای ما جدا دلہا یکی است

وحدت افکار و کردار آفریں   تاشوی اندر جہان صاحب نگیں

زندہ قوت تھی جہاں میں یہی توحید کبھی

آج کیا ہے فقط اک مسئلۂ علم کلام

آہ اس راز سے واقف ہے نہ ملا نہ فقیہ

وحدت افکار کی بے وحدت کردار ہے خام

'توحید' کا تیسرا عملی پہلو خدا خوفی اور ماسواہ کو خاطر میں لاتا ہے ۔ جو کوئی خدائے واحد کو اپنی جان و مال اور ہر فعل کا مختار جا وہ دوسروں سے کیوں ڈرے گا ؟ اقبال فرماتے ہیں :

ای کہ در زندان غم باشی اسیر

از نبی ، تعلیم 'لا تحزن' بگیر

قوت ایمان حیات افزایدت   ورد 'لا خوف علیہم' بایدت

چوں کلیمی سوی فرعونی رود   قلب او از 'لا تخف' محکم شود

خوف حق، عنوان ایمان است و بس

خوف غیر از شرک پنہان است و بس

مذکورہ سہ گانہ عملی پہلوؤں کے بہت سے ذیلی فوائد ہیں ۔ اسی اقبال فرد اور ملت دونوں کی خاطر ''توحید'' کی نشرو اشاعت کو ایک ضر امر قرار دیتے ہیں ۔

قرب جاں با آنکہ گفت 'انی قریب'
از حیات جاوداں بردن نصیب

فرد از توحید لاہوتی شود ملت از توحید جبروتی شود
ہر دو از توحید می گیرد کمال زندگی ایں را جلال، آں را جمال
زانکہ در 'تکبیر' راز بود تست حفظ و نشر لا الہ مقصود تست
می ندانی آیۂ ام الکتاب؟ امت عادل ترا آمد خطاب
نکتہ سنجاں را صلای عام دہ از علوم امی ص پیغام دہ
امی ص، پاک از 'ہوای' گفتار او شرح رمز 'ما غوی' گفتار او
جلوہ در تاریک ایام کن آنچہ بر تو کامل آمد، عام کن
تا نہ خیزد بانگ حق از عالمی گر مسلمانی، نیاسائی دمی

کلمۂ طیبہ اور اس کے مختلف حصے کلام اقبال میں متعدد مقامات پر 'توحید' کے مرادف استعمال ہوئے ہیں۔ 'لاالہ' کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

ملت بیضا تن و جاں لا الہ ساز مارا پردہ گرداں لا الہ
لا الہ سرمایۂ اسرار ما رشتہ اش شیرازۂ افکار ما

نہ تخم لا الہ تیری زمیں شور سے پھوٹا
زمانے بھر میں رسوا ہے تری فطرت کی نازائی

گر چہ می آید صدای لا الہ آنچہ از دل رفت، کئی ماند بہ لب
ای خدایان کہن، وقت است، وقت

لا الہ گوئی؟ بگو از روی جاں تا ز اندام تو آید بوی جاں
ایں دو حرف لا الہ گفتار نیست لا الہ جز تیغ بی زنہار نیست
مہر و مہ گردد ز سوز لا الہ دیدہ ام ایں سوز را در کوہ و کہ
لا الہ از غیر حق نا آگہی ست اندروں درویشی و شاہنشہی ست

شکست دینا، جہاد اکبر میں کامیاب ہونے کے مترادف ہے۔ قرآن مجید میں
ہوی (خواہش نفس) کو الہ قرار دیا گیا ہے: افرءیت من اتخذ الهه هوٰ
(۴۵: ۲۳) جو کوئی منزل 'لا' سے نہ گزرے، اور مزاحم خیر قوتوں کو
شکست نہ دے، وہ 'الا' کی منزل مقصود کو نہ پاسکے گا اور اس کا دعویٰ
للہیت حقیقت پر مبنی نہ ہوگا۔ اقبال مرحلہ اول میں اسی امر کی تلقین فرماتے
ہیں کہ الہ نما قوتوں سے نبرد آزما ہو جاؤ، اور الہ شکنی کرکے اللہ پرستی
کی طرف رجوع کرو کہ:

گفت رومی: ہر بنای کہنہ کا بادان کنند

می ندانی اول آں بنیاد را ویراں کنند

اقبال کے ہاں تخریب و تعمیر اور شکست و بنا کی یہ تعلیم جاوید نامہ
اور اس کے بعد کی تصانیف میں زیادہ جلوہ گر ہے۔ پیام مشرق میں وہ نفی
و اثبات کی ہنگامہ آفرینیوں میں شامل ہونے کی خاطر خدائے تعالی سے استمداد
کرتے ہیں:

تیغ 'لا' در پنجۂ ایں کافر دیرینہ دہ

باز بنگر در جہاں ہنگامۂ 'الای' من

اور زبور عجم میں مخاطبین سے فرماتے ہیں:

کہنہ را در شکن و باز بہ تعمیر خرام

ہر کہ در ورطۂ 'لا' ماند، بہ الا نرسید

اس توضیح سے ہمارا مقصد اس حقیقت کی طرف توجہ دلانا ہے کہ کلمہ
طیبہ کی معنی آفرینیوں کی طرف اقبال نے غالباً اپنی پختہ عمر میں زیادہ توجہ
فرمائی ہے۔

دعوت مبارزت

'لا الہ' دعوت مبارزت ہے۔ جو الہ سامنے آئے، اس کا صفایا کر دو

قلندر جز دو حرف لا اله کچھ بھی نہیں رکھتا
فقیہ شہر، قاروں ہے لغتہائے حجازی کا

صنم کدہ ہے جہاں اور مرد حق ہے خلیل
یہ نکتہ وہ ہے کہ پوشیدہ لا اله میں ہے

مرد حر از لا اله روشن ضمیر ... می نگردد بندۂ سلطان و میر
کسی کو بر خودی زد لا اله را ... ز خاک مردہ رویاند نگہ را
مدہ از دست، دامان چنیں مرد ... کہ دیدم درکمندش سہر و مہ را

اب الا اللہ یا لا اله الااللہ کے استعمال کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:
یہاں بھی علامہ نے توحید اور اس کے تقاضے بیان فرمائے ہیں:

خیمہ در میدان الااللہ زد است ... در جہاں شاهد علی الناس آمد است
نقش الا اللہ بر صحرا نوشت ... سطر عنوان نجات ما نوشت

تو عرب ہو یا عجم ہو، ترا لا اله الا
لغت غریب جب تک ترا دل نہ دے گواهی

گلا تو گھونٹ دیا، اهل مدرسہ نے ترا
کہاں سے آئے صدا لا اله الا اللہ؟

رمز الا اللہ کرا آموختند ... ایں چراغ اول کجا افروختند

اس تمہید کے بعد یہ دیکھنا ہے کہ اقبال نے کلمۂ طیبہ کو نفی و اثبات کے بیان کرنے میں کس طرح استعمال کیا ہے؟

نفی باطل اور مخالفت ہوی

لا اله، نفی کلی اور ابطال مخالف کا مظہر ہے۔ ہر چیز جو راہ خیر میں حارج اور مزاحم ہو، وہ اله کا حکم رکھتی ہے۔ نفس اور ہوی، بہت بڑے اله ہیں۔ اور اسی لئے تزکیہ نفس کے لئے عامل افراد کی خاطر، نفس و ہوی کو

جائے۔ یہ الہ جارح ہو یا استعمارگر، نصب العین کا مخالف ہو یا مخرب السانیت ہر حال میں قابل مزاحمت ہے۔ قرون اولی کے مسلمانوں نے اسی طرح اپنی دھاک بٹھائی تھی۔ اقبال تاریخ اسلام کے واقعات کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔

با تو می گویم ز ایام عرب تا بدانی پختہ و خام عرب
ریز ریز از ضرب او لات و منات در جہات آزاد از بند جہات
ہر قبای کہنہ چاک از دست او قیصر و کسری ہلاک از دست او
گہ دشت از برق و بارانش بدرد گہ بحر از زور طوفانش بدرد
عالمی در آتش او مثل خس این ہمہ ہنگامۂ 'لا'، بود و بس
لوح دل از نقش غیر اللہ شست از کف خاکش دو صد ہنگامہ رست

اقبال چونکہ شاعر انقلاب اور مبارزت اور جہاد کے داعی ہیں، ان کی نظر میں مبارزہ اور مقابلے کے بغیر انسانی شخصیت و خودی نامکمل رہتی ہے۔ اسی لئے وہ نعرہ 'لا'، لگانے کا مشورہ دیتے ہیں۔

با عزیزان سرگران بودن چرا ؟ شکوہ سنج دشمنان بودن چرا ؟
راست می گویم عدو ہم یار تست ہستی او رونق بازار تست
ہر کہ دانای مقامات خودی است فضل حق داند اگر دشمن قوی است
کشت انسان را عدو باشد سحاب ممکناتش را برانگیزد ز خواب
پیش غیر اللہ 'لا'، گفتن حیات تازہ از ہنگامہ او کائنات
بندہ را با خواجہ خواہی در ستیز؟ تخم 'لا'، در مشت خاک او بریز
ہر کرا این سوز باشد در جگر ہولش از ہول قیامت بیشتر
'لا'، مقام ضربہای پی بہ پی این غو رعد است نی آواز نی

اقبال افسوس کرتے ہیں کہ مسلمان 'لاالہ'، کے مقصد کی اہمیت سے غافل ہیں حالانکہ ان کی گفتگو کی تان الاالله پر ٹوٹتی ہے۔ صحیح صورت یہ ہے کہ 'لا'، اور لاالہ، کے بغیر، الااللہ تک کماحقہ رسائی نہیں ہو سکتی

غلط عقائد اور باطل خیالات کا ایوان منہدم کیا جا تا ہے، اور اس کے بعد تعمیر کی بنیاد رکھی جاتی ہے :

قوت سلطان و میر از لا اله هیبت مرد فقیر از لا اله

تا دو تیغ لا و الا داشتیم ماسوا الله را نشان نگذاشتیم

در جہان آغاز کار از حرف 'لا' ست

این نخستین منزل مرد خدا ست

وای ما ائی ، وای این دیر کہن تیغ لا در کف نه تو داری نه من

دل ز غیر الله به پرداز ای جوان این جہان کہنه در بازد ای جوان

تا کجا بی غیرت دین زیستن ای مسلمان مردن است این زیستن

نفی سے اثبات

جیسا کہ ابتداء میں عرض کیا گیا، 'الاالله' اثبات حق اور اقرار توحید کی علامت ہے ۔ اقبال نفی اور اثبات کو مختصراً 'لا' اور الا کی رموز کے استعمال سے بھی واضح کرتے رہے ہیں ۔ فرماتے ہیں کہ فرد ہو یا معاشرہ جس نے لا اور الا کو ایک ساتھ اپنایا ۔ اس کا حال روشن ہے نه مستقبل خوش آئند ۔ ''لا و الا'' کے عنوان سے تین شعروں پر مشتمل ایک مختصر قطعه ہے :

فضائے نور میں کرتا نه شاخ و برگ و بر پیدا
سفر خاکی شبستاں سے نه کر سکتا اگر دانه

نہاد زندگی میں ابتداء لا، انتہا الا
پیام موت ہے جب لا ہوا الا سے بیگانه

وہ ملت روح جس کی 'لا' سے آگے بڑھ نہیں سکتی
یقیں جانو ہوا لبریز اس ملت کا پیمانه

اقبال نے اقوام و ملل کے زوال و اضمحلال پر قرآن مجید میں بیان فرموده

اصولوں کی روشنی میں غور کیا تھا۔ جبھی فرماتے ہیں کہ لا سے الا کی طرف گامزن نہ ہونے والی ملت دنیا میں زیادہ دیر تک باقی نہیں رہ سکتی۔ اس کا جاہ و جلال اور تزک و احتشام کتنا ہی حیرت انگیز ہو، اس کے مقدر میں نیست و نابود ہونا لکھا ہوا ہے۔ قرآن مجید کا مطالعہ مظہر ہے کہ انکار و الحاد کی روش پر سصر اقوام و ملل صفحۂ ہستی سے مٹ گئیں اور ان کے آثار و واقعات ابد تک کے لئے عبرت کا سامان ہیں۔ اقبال کا یہ تصور، قرآن مجید کی تعلیم سے ماخوذ ہے۔ اقبال کو حکیم آلمانی فریڈرک نیٹشے (م ١٩٠٠ء) کی بعض باتیں پسند تھیں، مگر اس کے انکار و الحاد اور منزل لا میں ہی رہ جانے کا انھیں افسوس تھا۔ فرماتے ہیں کہ کاش نیٹشے کو حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی جیسا کوئی عارف ربانی ہاتھ آتا تو وہ منزل الا کی طرف آسکتا۔

زندگی شرح اشارات خودی است　　لا و الا از مقامات خودی است
او بہ لا درماند و تا الا نرفت　　از مقام 'عبدہ' بیگانہ رفت
کاش بودی در زمان احمدے　　تارسیدی بر سرور سرمدے

اقبال روس کے اشتراکی انقلاب کے رفاہی کاموں اور انسانی ہمدردی کے پہلوؤں کو پسند فرماتے رہے ہیں۔

قوموں کی روش سے مجھے ہوتا ہے یہ معلوم
بے سود نہیں روس کی یہ گرمئی رفتار

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلماں
اللہ کرے تجھ کو عطا جدت کردار

جو حرف قل العفو، میں پوشیدہ ہے اب تک
اس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار

مگر اس قوم کی روش "لا"، پر اقبال نے کڑی نکتہ چینی کی۔ اس کے

ی نظریات سے اقبال کو اضطراب تھا۔ سید جمال الدین افغانی کی زبانی وہ
قوم سے فرماتے ہیں :

کردہ ای کار خداوندان تمام بگذر، از لا، جانب 'الا'، خرام
در گزر از 'لا'، اگر جوینده ای تاره اثبات گیری، زنده ای
ای که می خواهی نظام عالمی جسته ای آن را اساس محکمی ؟
آفریدی شرع و آئینی دگر اندکی با نور قرآنش نگر

مثنوی پس چه باید کرد میں آپ اظہار امید فرماتے ہیں کہ اگر روسی
م کو کوئی اہم کردار ادا کرنا ہے، تو اسے منزل الا (اقرار خدائے واحد)
ی طرف چلنا ہی ہوگا۔ آخر حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسا موحد اعظم بھی
پالد، سورج اور ستاروں کو 'لا' کہہ کر ہی الااللہ کی طرف متوجہ ہوا تھا :

کرده ام اندر مقاماتش نگه لا سلاطین، لا کلیسا، لا اله
فکر او در تند باد لا بماند مرکب خود را سوی الا نراند
آیدش روزی که از زور جنون خویش را زین تند باد آرد برون
در مقام لا نیاساید حیات سوی الا می خرامد کائنات
لا و الا ساز و برگ امتان نفی بی اثبات، مرگ امتان
در محبت پخته کی گردد خلیل تا نگردد لا سوی الا دلیل

دو نظمیں

علامہ مرحوم نے ایک ہی سال (۱۹۳٦ع) میں شائع ہونے والی اپنی
دو تصانیف، ضرب کلیم اور پس چہ باید کرد میں "لا الہ الااللہ" کے عنوان
سے دو جداگانہ نظمیں لکھیں ہیں۔ ایک نظم، بظاہر میرزا داراب بیگ جویا
تبریزی (م ۱۱۱۸ھ) کی ایک حمدیہ نظم کی پیروی میں ہے جس کا ابتدائی
شعر یوں ہے۔

مرا چه حد ثنا، لا اله الا الله کجا من و تو کجا، لا اله الا الله

اقبال نے اس نظم کے سات اشعار میں توحید کے ایمان افروز اور جرات آموز مطالب یکجا بیان فرمائے ہیں۔

یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں، لا الہ الا اللہ

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں، لا الہ الا اللہ

دوسری نظم کے ۴۳ اشعار اول سے آخر تک نفی و اثبات کے بیان پر مشتمل ہیں۔ اس نظم میں اقبال واقعی مردان حال میں سے نظر آتے ہیں اور قوموں کے تقدیر شناس معلوم ہوتے ہیں۔ ان اشعار کا ایک انتخاب دیکھئے:

نکته ای می گویم از مردان حال — امتان را لا جلال، الا جمال
لا و الا احتساب کائنات — لا و الا، فتح باب کا ئنات
هر دو تقدیر جهان کاف و نون — حرکت از لا زاید، از الا سکون
تا نه رمز لا اله آید بدست — بند غیر الله را نتوان شکست
ملتی کز سوز او یک دم تپید — از گل خود، خویش را باز آفرید
جذبهٔ او در دل یک زنده مرد — می کند صد ره نشیں را ره نورد
ای که اندر حجره ها سازی سخن — نعرهٔ لا، پیش نمرودی بزن
این که می بینی نیرزد با دو جو — از جلال لا اله آگاه شو

هر که اندر دست او شمشیر 'لا' ست
جمله موجودات را فرمانروا ست

یہ دو نظمیں بغور مطالعہ کی جائیں، تو اقبال کے بیان کردہ وہ بہت سے حقائق سمجھے جا سکتے ہیں جو کلمۂ طیبہ سے مربوط ہیں۔ آخر میں ہم پھر اس امر کا اعادہ کردیں کہ کلام اقبال میں کلمۂ طیبہ کا استعمال طویل و عمیق مطالعے کا متقاضی ہے۔